حضرت مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی
نائب مہتمم دار العلوم کراچی

امت مسلمہ کی معیشت اور اسلامی خطوط پر اس کا اتحاد

نئ صدی کا ظہور پورے عالم میں فکر و عمل کے نئے افق کھول رہا ہے' ہمارے لئے مسلم امہ ہونے کی حیثیت سے اپنے اہم مسائل اور مشکلات پر غور کرنا' ان کے رخ متعین کرنا' اور آنے والے وقتوں کے بین الاقوامی مسائل حل کرنے کیلئے اپنی حکمت عملی وضع کرنا ایک لائق تحسین عمل ہے' میں موتمر العالم الاسلامی کا شکر گزار ہوں کہ مجھے ایسا پر وقار فورم (Forum) مہیا کیا کہ جس میں ان مسائل پر گفتگو کر سکتا ہوں۔

انیسویں صدی سیاسی استبداد کی صدی تھی' جس میں یورپی طاقتور اقوام نے ایشیائی اور افریقی ممالک بشمول اسلامی ممالک پر اپنا تسلط جمایا ہوا تھا' موجودہ صدی نے جو اب اپنے آخری سانس لے رہی ہے مغربی استعمار کی طرف سے آزادی کے تدریجی عمل کا مشاہدہ کیا ہے' اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہی وہ صدی تھی' جس میں بہت سے اسلامی ممالک نے یا تو طاقت کے بل بوتے پر یا پرامن طریقوں سے آزادی حاصل کی' تاہم اپنی سیاسی آزادی کے حصول میں واضح کامیابی کے باوجود ہم اب تک علمی' معاشی اور منصوبہ سازی کے میدانوں میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کر سکے' یہی وجہ ہے کہ اب تک مسلم امہ سیاسی آزادی کے صحیح ثمرات سے لطف اندوز نہیں ہو سکی ہے۔

اب مسلم دنیا نئی صدی کو اس امید کیساتھ دیکھ رہی ہے کہ انشاء اللہ یہ اس کیلئے مکمل اور حقیقی آزادی لیکر آئیگی۔ جس میں مسلمان دنیا کی مختلف اقوام کے درمیان اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کریں اور قرآن کریم اور حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں وضع کردہ اصولوں کے مطابق اپنی زندگی گزارنے میں آزاد ہوں۔

تاہم یہ بات بھی واضح ہے کہ یہ امید صرف خوابوں اور خواہشات سے پوری نہیں ہو سکتی' اپنے اس محبوب مقصد کے حصول کے لئے ہمیں اجتماعی زندگی کے تمام میدانوں میں اپنے رویہ کو بدلنا ہوگا' اور جس قدر ہم نے سیاسی آزادی کے حصول کے لئے کوششیں کیں اس سے زیادہ ہمیں اپنی مکمل آزادی کے حصول کی کوششیں کرنی ہوں گی' ہمیں اپنے لائحہ عمل اور منصوبوں پر از سر نو غور کرنا ہوگا' ہمیں خوب

غور و فکر کے ساتھ مرتب کردہ پلاننگ اور منصوبہ سازی کی ضرورت ہوگی، ہمیں اپنے متعین اور واضح مقاصد کے لئے اجتماعی قوت ارادی انقلابی اقدامات اور ایک پرجوش پروگرام کی ضرورت ہوگی۔

جس موضوع کے بارے میں مجھے چند الفاظ پیش کرنے کے لئے کہا گیا ہے وہ موضوع "امت مسلمہ کی معیشت کا اسلامی خطوط پر اتحاد" ہے اس مختصر مضمون میں جو ایک مختصر نوٹس پر تیار کیا گیا ہے احقر اپنے آپ کو ایسے دو نکات تک محدود رکھے گا جو ہمارے لئے امت مسلمہ ہونے کی حیثیت سے بہت زیادہ اہم ہیں۔

خود ساختہ انحصار

یہ بات ہر کس و ناکس جانتا ہے کہ تقریباً تمام مسلم ممالک کا سماجی اور معاشی میدانوں میں دوسروں پر انحصار اس امت کا ایسا معاشی مسئلہ بن چکا ہے کہ جس سے آج تمام مسلم امت دوچار ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اکثر مسلمان ممالک، مغربی ممالک یا بین الاقوامی (بلکہ حقیقت پسندی سے جائزہ لیا جائے تو مغربی) مالیاتی یا تمویلی اداروں سے بڑی بڑی رقمیں قرض لے رہے ہیں، اور بعض ممالک یہ بھاری مقدار میں سودی قرضے کسی ترقیاتی منصوبوں کے بجائے اپنے روزمرہ کے اخراجات کیلئے لے رہے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ تشویشناک امر یہ ہے کہ اپنے سابقہ سود کی ادائیگی کیلئے حاصل کررہے ہیں، جس سے ان کے حاصل کردہ قرضوں کا سائز خطرناک حد تک بڑھ چکا ہے۔

بیرونی قرضوں پر انحصار ہماری ایک ایسی بنیادی بیماری ہے جس کی وجہ سے ہماری اقتصادی زندگی اس درجہ متاثر ہو چکی ہے کہ قومی خود اعتمادی تقریباً مفقود ہوتی جارہی ہے، اور اس نے ہمیں اس بات پر مجبور کررکھا ہے کہ ہم اپنے قرض دہندوں کے مطالبات کے آگے بلکہ بعض اوقات ایسے مطالبات کے آگے سر تسلیم خم کردیں جو ہمارے اجتماعی مفادات کے خلاف ہیں۔ یہ بات بھی کوئی ڈھکی چھپی نہیں کہ قرض دہندہ قرضے دینے سے قبل مقروض پر اپنی شرائط عائد کردیتے ہیں، یہ شرائط ہمیں مستقل غیر ملکی دباؤ میں رکھتی ہیں، اور اکثر ہمیں اپنے حقیقی مقاصد کے حصول سے روکتی ہیں اور اس بات پر مجبور کرتی ہیں کہ ہم اغیار کے بتائے ہوئے راستوں پر چلیں، خلاصہ یہ کہ غیر ملکی قرضوں کے برے نتائج اتنے واضح ہیں کہ محتاج بیان نہیں ہیں۔

قرضہ لینا اسلامی تعلیمات کی رو اس قدر ناپسند فعل ہے کہ اس میں شدید مجبوری اور سخت ضرورت کے بغیر مبتلا نہیں ہونا چاہیے، جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کے اس عمل سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایسے شخص کی نماز جنازہ ادا کرنے سے انکار فرمادیا جو اپنا قرض ادا کئے بغیر وفات پا گیا تھا۔

مزید براں مسلمان فقہا کرام نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ آیا کسی مسلمان ملک کے حکمران کیلئے جائز

ہے کہ وہ غیر مسلموں کی طرف سے پیش کردہ تحفے قبول کرے ؟اس سوال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ صرف اس صورت میں جائز ہے جب ان تحفوں کی وجہ سے امت مسلمہ کے مفاد کیخلاف کسی قسم کا دباؤ نہ ہو' یہ جواب تحفے قبول کرنے کے بارے میں دیا گیا ہے 'اب آپ اس سے خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ قرضے لینے کا جواب کیا ہوگا ؟

اسلامی اصولوں کا مطابق بیان کردہ یہ ہدایات اس بات کا مطالبہ کرتی ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے سختی اور تنگی کے زمانہ میں بھی غیر ملکی قرضے لینے سے انکار کرنا چاہیے۔ لیکن ہمارا یہ حال ہے کہ موجودہ قرضے ہمارے وسائل (Resources) کی قلت کے باعث پیدا نہیں ہوئے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان بحیثیت مجموعی جتنے آج مالدار ہیں اس سے قبل مسلمان کی پوری تاریخ میں اتنے مالدار کبھی نہیں رہے' آج انکے پاس قدرتی وسائل کے عظیم خزانے موجود ہیں' دنیا کے اہم دفاعی واقتصادی اہمیت کے حامل مقامات ان کے قبضے میں ہیں' وہ دنیا کے بیچوں بیچ واقع ہیں' وہ مراکش سے انڈونیشیا تک ایسی جغرافیائی زنجیر میں جڑے ہوئے ہیں کہ انکے درمیان سوائے اسرائیل اور ہندوستان کے کوئی ملک حائل نہیں ہے وہ دنیا کا تقریباً پچاس فیصد تیل پیدا کرتے ہیں' دنیا کی خام مال کی برآمدات میں تقریباً چالیس فیصد حصہ ان کا (مسلمانوں کا) شمار کیا جاتا ہے۔ان تمام حقائق کے علاوہ مسلمانوں کی وہ تمام نقدر قوم جو مغربی ممالک میں امانت یا سرمایہ کاری کی غرض سے رکھی گئی ہیں اتنی زیادہ ہیں کہ وہ خود اپنے اوپر عائد تمام دیون (Loans) اور واجبات (Payables and dues) کی ادائیگی کیلئے مکمل کافی ہیں۔

اسلامی ترقیاتی بینک کی حالیہ رپورٹ کے مطابق اسلامی ترقیاتی بینک (IDB) کے رکن ممالک کے بیرونی قرضہ جات کا مجموعہ 618.8 بلین ڈالر ہے جبکہ دوسری طرف مسلمانوں کے مغربی ممالک میں رکھے ہوئے اثاثے اور امانتیں (Deposits) اس سے کہیں زیادہ ہیں[۱] یہ بات ظاہر ہے کہ ان اثاثوں اور امانتوں کا کوئی ٹھوس ریکارڈ نہیں ہے کیونکہ ان کے مالکان متعدد وجوہات کی بنا پر انہیں ظاہر نہیں کرتے ہیں' البتہ معاشی ماہرین کا خیال ہے کہ خلیج کی جنگ (Gulf War) کے بعد عرب مسلمانوں نے اپنے ۲۵۰ بلین ڈالر نکال کر اپنے ممالک میں جمع کرائے تھے ان کے علاوہ مسلمانوں کے مغربی ممالک میں جمع شدہ اثاثوں اور امانتوں کا تخمینہ تقریباً ۸۰۰ سے لیکر ۱۰۰۰ بلین ڈالرز کے درمیان ہے[۲] اس بات کا عملاً

(۱) IDB Jeddah Report 1996, Table 01

(۲) The News International, Karachi. 18-10-1997, p-15

مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی ہی جمع کردہ رقم کا ایک حصہ خود ہی زیادہ سودی قیمت پر قرض لے رہے ہیں۔ اور اگر بالفرض ان تخمینی اعداد و شمار کو مبالغہ آمیز سمجھا جائے تب بھی اس حقیقت سے شاید ہی کوئی منکر ہو سکتا ہے کہ اتنی بڑی رقموں کو اگر اپنے پاس ہی رکھ کر صحیح طریقے سے مسلمان دنیا پر استعمال کیا جاتا تو امت مسلمہ کبھی چھ سو بلین یا اس سے زائد قرضے لینے پر مجبور نہ ہوتی۔

اس زاویہ سے اگر جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ غیر ملکی قرضوں پر انحصار در حقیقت ہمارا خود ساختہ ہی ہے جسکے بارے میں ہم کسی دوسرے پر الزام نہیں لگا سکتے ہم نے کبھی بھی ان عوامل کو دور نہیں کیا جو ہمارے سرمائے کی باہر منتقلی کے ذمہ دار ہیں ہم نے اپنے لوگوں میں اعتماد پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی، ہم نے اپنے آپ کو موجودہ ظالمانہ اور بد عنوان (Corrupt) نظام محصولات سے چھٹکارا نہیں دیا، ہم کبھی سرمایہ کاری کیلئے ایک پر امن فضاء قائم کرنے کے قابل نہیں ہوئے ہم نے کبھی اپنے ممالک کو ایک مضبوط سیاسی نظام عطانہ کیا ہم نے کبھی بھی اپنے مجموعی سرمایہ سے بہترین طریقوں سے استفادہ کرنے کے مواقع پر غور کرنے کی ضرورت نہ سمجھی مزید بر آں مجموعی طور پر ہم اسلامی اتحاد کے جذبات کو سرگرم اور امت مسلمہ کی طاقت کو متحرک کرنے میں ناکام رہے۔

یہ افسوسناک صورتحال نئی صدی کی خوشی میں مہنگی تقاریب وغیرہ منعقد کر لینے سے ٹھیک نہیں ہو سکتی، ہمیں سنجیدگی کے ساتھ وقت کے چیلنج کو قبول کرنا ہوگا، جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا گیا ہے ہمارے معاشی اور سیاسی پہلے قائدین کو غیر ملکی انحصار سے نجات دلانے کیلئے ایسے ذرائع اور طریقے تلاش کرنے ہوں گے جو ہمارے پاس پہلے ہی سے دستیاب ہیں، جس چیز کی ہمیں سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہم مسلم امہ کی باہمی تعاون کو فروغ دینے کے لئے نئی پالیسیاں وضع کریں، قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے۔

انما المومنون اخوة فاصلحوا بین اخویکم واتقوا الله لعلکم ترحمون"

"تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کراؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

قرآن و سنت کی تعلیمات اور احکام اس اصول کی تاکید کرتے ہیں کہ تمام مسلم امہ کو یک جان ہو کر کام کرنا چاہیے، جغرافیائی حدود انہیں مختلف مقاصد اور مختلف اقوام کے اندر منقسم نہیں کر سکتیں، سیاسی و جغرافیائی حدود صرف کیس ملک کے انتظامی و داخلی امور نمٹانے کے لئے برداشت کی جا سکتی ہیں، لیکن تمام مسلم ممالک کو خصوصاً ان کا اپنے مشترک مقاصد کے لئے بقیہ دنیا کے مقابلے میں یک جان اور یک رخ ہو کر رہنا چاہیے۔

اب وہ دن چلے گئے جب تکنیکی مہارت پر صرف چند مغربی ممالک کی اجارہ داری تھی' اب مسلمانوں کی مہارت وقابلیت (Talent) کم از کم مسلمانوں کی فوری ضروریات کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس امت کی خدمت کے لئے مذہبی جذبہ کے ساتھ اس قابلیت کو تلاش کریں بلکہ یہ مقصد ہمارے ممالک کے قائدین اور زعماً کی متحدہ کوششوں کا طلبگار ہے یہی ان کا سب سے بڑا چیلنج ہے' جس کا مقابلہ ان کے لئے نہ صرف امت کی بھلائی کی خاطر بلکہ خود اپنی بقاء اور حیات کیلئے ضروری ہے' اس بارے میں ایک عظیم ذمہ داری آرگنائزیشن آف اسلام کانفرنس (OIC) کے کاندھوں پر ہے کہ اسے خود آگے بڑھ کر مسلمان قابلیت کا ایک متحدہ تالاب (Pool) بنانا چاہیے۔

اپنے معاشی نظام کی تعمیر نو

دوسرا اہم نکتہ جس کی طرف احقر حاضرین مجلس کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہے وہ ہمارے نظام کو اسلامی خطوط پر استوار کرنا ہے۔

بیسویں صدی سوشلزم کا ظہور' سرمایہ دار اور سوشلسٹ ممالک کے درمیان محاذ آرائی اور آخر میں سوشلزم کے سقوط کا مظاہرہ دیکھ چکی ہے ''مغربی سرمایہ دار ممالک سوشلزم کے سقوط کی اس طرح خوشیاں منارہے ہیں گویا یہ ان کی نہ صرف سیاسی بلکہ ان کے فکرو نظر کی فتح کا حقیقی ثبوت ہے' اسی طرح وہ کمیونسٹ تصورات کے سقوط کو بھی سرمایہ داری نظریہ کی حقانیت کا بین ثبوت قرار دے رہے ہیں' اور یہ دعوی کیا جارہا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام ہی اب انسانیت کے لئے ایسا واحد نظام ہے جسے اپنائے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سوشلزم یا کمیونزم سرمایہ دارانہ نظام معیشت کا ظالمانہ اصولوں اور خصوصاً دولت کی غیر مساوی تقسیم کے رد عمل کے طور پر ابھرا تھا جو گزشتہ کئی صدیوں سے سرمایہ دار ممالک میں نظر آرہی تھی' سوشلزم ان برائیوں کی نشاندھی کرنے اور معاشرے پر ان کے برے اثرات کی تنقید کرنے میں حق بجانب تھا۔ سوشلزم کی ناکامی کی وجہ سرمایہ دارانہ نظام پر صحیح تنقید نہ تھی' بلکہ اس کی وجہ خود اس کے پیش کردہ متبادل نظام کے اندر موجود خرابیاں تھیں لہذا سوشلزم کی ناکامی کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام اپنے اندر کوئی خرابی نہیں رکھتا تھا' بلکہ وہ خرابیاں ابھی تک موجود ہیں' اور ان کی اصلاح بھی نہیں کی گئی ہے۔

جو ممالک سرمایہ دارانہ نظام کی اتباع کررہے ہیں وہ ابھی تک دولت کی غیر مساوی تقسیم میں مبتلا ہیں' مالداروں اور غیر مالداروں کے درمیان عظیم فرق اور دولت کے عین درمیان غربت (Pover-ty in the midst of plenty) ان کے نظام معیشت میں ایک بہت بڑا مسئلہ ہے' یہی سرمایہ دارانہ نظام

کے حقیقی مسائل ہیں، جنہیں اگر صحیح طرح حل نہیں کیا گیا تو یہ ایک اور رد عمل کو جنم لے سکتے ہیں، جو سوشلزم سے کہیں زیادہ سخت اور ظالم ہوگا، سوویت یونین کے سقوط اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ بعض وسط ایشیائی ریاستیں دوبارہ کمیونزم کی طرف رخ کر رہی ہیں، یہ حقیقت اس پارلیمانی انتخابات کے نتائج سے اچھی طرح محسوس کی جاسکتی ہے، جس میں کمیونسٹ پارٹیوں نے اپنی اپنی پارلیمنٹ میں بھاری اکثریت سے سیٹیں حاصل کی ہیں، یہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ کمیونزم یا سوشلزم کے پاس واقعتاً کوئی فضیلت یا اچھائی موجود ہے بلکہ یہ سرمایہ دارانہ نظام کے تسلط کا برے نتائج اور غیر مساویانہ تقسیم دولت کا دوبارہ رد عمل ہے۔

اسی لئے اب دنیا ایک ایسے تیسرے نظام کی شدید محتاج ہے جو اسے ان دونوں نظامہائے معیشت کی ان خرابیوں سے نجات دلائے جن سے انسانیت گزشتہ چند صدیوں سے دوچار رہی ہے، اس تیسرے نظام کے لئے مسلم امہ کی طرف سے اسلامی خطوط پر کام کیا جاسکتا ہے وہ معاشی اصول جو قرآن پاک اور احادیث نبویہ علیہ الصلوۃ والسلام سے ماخوذ ہیں آج کی دنیا کے تمام معاشی مسائل کو حل کرنے میں مکمل کافی وشافی ہیں کیونکہ اسلام جہاں ذاتی ملکیت اور بازاری معیشت کی اجازت دیتا ہے وہاں وہ ایک منصفانہ تقسیم دولت کا ایک سوچا سمجھا نظریہ بھی پیش کرتا ہے، جو معاشی زندگی کی ناہمواریوں سے نجات بھی دلاتا ہے، اور ایک ایسا نظام پیدا کرتا ہے جس میں ذاتی منافع کا محرک (Motive of personal profit) معاشرے کے مجموعی مفاد کے ساتھ شیر وشکر ہو کر چلتا ہے، سوشلزم کی ایک بنیادی خرابی یہ تھی کہ سرمایہ دارانہ نظام کی ناہمواریوں اور غیر مساویانہ تقسیم سے مایوس لوگوں نے ذاتی ملکیت کے حقیقی تصور اور بازاری قوتوں پر حملہ کر کے ایک ایسا معاشی نظام کا مفروضہ پیش کیا جو بالکل غیر حقیقی مصنوعی اور جابرانہ تھا، ذاتی ملکیت کی آزادی کے انکار نے پیداواری جذبہ کو نہ صرف ختم کر دیا بلکہ وسیع ریاستی طاقت نے عوام کی قسمت حکمران طبقہ کے ہاتھوں میں دے دی۔

تجربات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نہ ذاتی ملکیت سرمایہ دارانہ نظام کی بے اعتدالیوں اور ناہمواریوں کی بنیادی وجہ تھی نہ بازار کی قوتیں بلکہ سرمایہ دار ممالک میں معاشی ناہمواریوں اور بے اعتدالیوں کی بنیادی وجہ ذاتی منافع کا بے لگام استعمال اور جائز اور ناجائز کمائی کے درمیان امتیاز کرنے والے معیار کا فقدان تھا جس نے تمام دولت کو چند مالدار لوگوں تک محدود کر دیا، سود، قمار، جوئے اور غیر اخلاقی خواہشات کی تکمیل جیسے طریقوں کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کی سرمایہ دارانہ نظام میں اجازت دے دی گئی، جس نے مارکیٹ میں اجارہ داری (Monopoly) کا رجحان پیدا کر دیا، جس کے نتیجہ میں طلب اور رسد کی طاقتیں یا تو بالکل مفلوج ہو کر رہ گئیں یا ان کے عمل کو اپنے بھرپور اثر سے روک دیا۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ سرمایہ داری نظریہ ایک طرف تو طلب اور رسد کو سرگرم کرنے کیلئے اصول عدم مداخلت (Laisez fair) کا اعلان کرتا ہے تو دوسری طرف مندرجہ بالا غلط ذرائع کاروبار کی اجازت دے کر ان کا قدرتی عمل میں مداخلت کرتا ہے‘ سرمایہ داری ایسی اجارہ داریاں (Monopolies) پیدا کر کے اپنے جابرانہ فیصلے عوام الناس کو اس میں شریک کرنے کے بجائے ایک متعین شرح سے سود دیتے ہیں اور پھر اس سود کو بھی وہ دوبارہ اپنی پیداوار کے اخراجات کی مد میں قیمتوں میں اضافہ کر کے واپس وصول کر لیتے ہیں۔

مجموعی سطح پر اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ مالدار لوگ کھاتہ داروں (Depositors) کی رقموں کو اپنے نفع کیلئے استعمال کرتے ہیں اور حقیقت میں ان (Depositors) کو کچھ ادا نہیں کرتے‘ کیونکہ وہ سود جو وہ مالیاتی اداروں کو ادا کرتے ہیں‘ وہ صارفین جیسے عوام الناس سے ان کی پیداواری قیمت میں اضافہ کر کے واپس لے لیتے ہیں‘ اسی طرح جوا‘ ہزاروں لوگوں کی دولت چند ہاتھوں میں مرتکز کرنے کا ایک بہت بڑے ذریعہ اور کمائے بغیر دولت کے حصول کی لالچ اور طمع کو بڑھانے کا ایک تباہ کن محرک ہے‘ سٹہ کے معاملات بھی فطری بازاری عمل کو ڈسٹرب کرنے اور دولت کی غیر مساویانہ تقسیم میں اہم کردار ادا کرتے ہیں‘ خلاصہ یہ کہ حلال اور حرام کا امتیاز نہ رکھنے والا نظام معاشرے پر پڑنے والے برے اثرات سے لاپرواہ ہو کر ہر قسم کی تجارتی سرگرمیوں کے لئے کھلا ہوا ہے۔

اسلام نہ صرف بازاری طاقتوں کو قبول کرتا ہے بلکہ ان کو ایک ایسی میکانیت (Mechamism) مہیا کرتا ہے‘ جس کی وجہ سے وہ اجارہ داریوں کی رکاوٹوں کے بغیر اپنی قدرتی طاقت کیساتھ عمل جاری رکھتے ہیں‘ صحت مند پیداوار اور مساویانہ تقسیم کی فضا برقرار رکھنے کیلئے اسلام معاشی سرگرمیوں پر دو قسم کے کنٹرول عائد کرتا ہے۔

پہلی قسم کے کنٹرول سے اسلام نے تجارت اور کمائی کے عمل کو کچھ ایسے مخصوص اور پروقار طریقہائے کار کے ساتھ متعین کر دیا ہے جو بالکل وضاحت کا ساتھ حلال اور حرام کے درمیان امتیاز کرتے ہیں کہ یہ طریقے اجارہ داریوں کو روکنے اور غلط اور غیر اخلاقی کمائی اور معاشرے کے اجتماعی مفادات کے خلاف تجارتی سرگرمیوں کو ختم کرنے کا سبب بنتے ہیں‘ جدید اقتصادی ضروریات کے سیاق میں جہاں عام لوگوں کی پختیں ترقی کو بڑھانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں‘ اسلامی طریقہائے تمویل مثلاً سود کے بجائے مشارکہ اور مضاربہ کا استعمال عوام کو ترقی کے پھل میں بلاواسطہ شریک اور حصہ دار بناتے ہیں‘ جس کی وجہ سے معاشرے میں ایک متوازن طریقے سے خوشحالی آتی ہے۔ اور امیر و غریب کے درمیان فرق کم سے کم ہو جاتا ہے۔

دوسرے قسم کا کنٹرول زکوۃ و صدقات اور کچھ دوسرے مالیاتی ذمہ داریاں عائد کرنے کے ذریعہ عمل میں لایا گیا' اور اس کا مطلب یہ ہے کہ حلال آمدنی بھی دوبارہ ایسے لوگوں کو تقسیم کی جائے جو تجارت کے بھرپور مواقع میسر نہ آنے کی وجہ سے اپنی ضروریات کیلئے نہیں کما سکے' خلاصہ یہ کہ دولت کو مستقل گردش اور پھیلاؤ میں رکھنے کیلئے اور دولت کو محدود مرکوز کرنے کے مواقع ختم کرنے کیلئے غلط اور ناجائز آمدنی کے راستے مسدود کردیئے گئے اور زکوۃ' صدقات اور وراثت کے ضابطے وضع کئے گئے۔

چونکہ موجودہ صدی میں دنیا سوشلزم کا زوال اور سقوط بھی دیکھ چکی ہے اور سرمایہ دارانہ نظام کی ناہمواریوں اور بے اعتدالیوں کے زخم بھی ابھی تک مندمل نہیں کرپائی ہے۔ لہٰذا اب مسلمانوں کیلئے یہ بہترین موقع ہے کہ دنیا کو قرآن و سنت سے مستنبط اصول واحکام کی طرف دعوت دے' جو دو انتہاؤں کے درمیان ایک پرامن اعتدال فراہم کرتے ہیں لیکن ہمارے لئے ایک پریشان کن مسئلہ یہ بھی ہے کہ اسلامی نظام کے اصول ابھی تک صرف نظریاتی ہیں' جو ابھی تک عملی شکل میں ہمارے سامنے نافذ نہیں' یہاں تک کہ مسلمان ممالک نے بھی ابھی تک اپنی معیشت کو اسلامی خطوط پر ڈھالنے کی سعی نہیں کی ہے' ان میں سے اکثر اب تک سرمایہ دارانہ نظام کی اتباع کر رہے ہیں اور وہ بھی ایسے ناپختہ اور ادھورے طریقوں پر جنکی وجہ سے انکی اقتصادی حالت ترقی یافتہ ممالک کے مقابلے میں خراب سے خراب تر ہوتی جارہی ہے اور بدقسمتی سے واضح اسلامی اصولوں کی موجودگی کے باوجود مسلمان ممالک میں معاشی ناہمواری اور عدم مساوات مغربی ممالک کی بہ نسبت بہت زیادہ ہے۔

یہ افسوسناک صورت حال ہمیشہ جاری نہیں رہ سکتی' اگر ہم اپنے راستوں اور طریقہ کار کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں دیں گے تو انقلاب اور ردعمل کی جانب فطری عمل اپنے راستے ڈھونڈنے پر مجبور ہو جائے گا' اگر ہم ایسے انقلاب کے تباہ کن اثرات سے بچنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے معاشی نظام کو قرآن و سنت سے مستنبط اور ماخوذ معاشی نظام پر از سر نو استوار کرنا پڑے گا' اگر ہم اسلامی اصولوں کے مطابق کوئی نظام نافذ کرنے کے قابل ہو گئے ہیں تو نئی صدی کی آمد کے موقع پر یہ ہماری طرف سے انسانی برادری کے لئے ایک بہترین اور عظیم تحفہ ہوگا' مجھے امید ہے کہ اگر ہم اسلامی معیشت کے اصولوں کو اخلاص کے ساتھ ٹھیک ٹھیک نافذ کردیں تو آج ہم بقیہ دنیا کو بھی پہلے کی بہ نسبت اسے قبول کرنے پر زیادہ آمادہ پائیں گے۔

مسلم خوابیدہ اٹھ' ہنگامہ آراء تو بھی ہو
وہ چمک اٹھا افق' گرم تقاضا تو بھی ہو